Vol. 3 No. 3 (2025)

ISSN 3007-3170(O)
ISSN :3007-3162(P)

Social Sciences & Humanity Research Review

A Research-Based Analysis of the Hadiths on Ghazwah-e-Hind: Authenticity and Significance

Dr. Muhammad Nauman Khalid[1], Dr. Abdul Majid[2], Muhammad Harris Suhaib[3]

[1]Assistant Professor, Al Ghazali University, Karachi
[2]Associate Professor, Alghazali University, Karachi
[3]MS Scholar, Department of Islamic Studies, Al Ghazali University, Karachi

ARTICLE INFO

Keywords:
Ghazwa-e-Hind, Hadith, Authenticity, Islamic Eschatology, Historical Interpretations

Corresponding Author:
Dr. Muhammad Nauman Khalid,
Assistant professor, Al Ghazali University, Karachi

ABSTRACT

The present study investigates the concept of *Ghazwa-e-Hind* (the prophesied battle of India) in the light of Hadith literature. The research undertakes a critical analysis of primary sources, including canonical Hadith collections, as well as the works of classical and modern scholars, to assess the authenticity, textual variations, and contextual interpretations of the narrations. The methodology combines descriptive analysis with a comparative review of scholarly opinions to distinguish between sound, weak, and disputed reports. The paper also examines the historical reception of these narratives and their impact on socio-political thought throughout various periods of Muslim history.The findings suggest that, although some narrations are considered weak or disputed, they have nonetheless played a significant role in shaping religious and cultural discourse, particularly in relation to eschatological expectations. The study concludes by emphasizing the importance of approaching *Ghazwa-e-Hind* with scholarly rigor, avoiding literalist or extremist misinterpretations, and understanding these Hadith within their historical and theological context.

ابتدائیہ

غزوۂ ہند سے متعلق مختلف الفاظ کے ساتھ مختلف روایات مروی ہیں ، جن کا حکم جاننے کے لیے تفصیل کی ضرورت ہے. غزوۂ ہند کے بارے میں ذخیرۂ احادیث میں مختلف طرق سے مروی تین قسم کی احادیث کا ذکر ملتاہے:

نمبر ۱: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی روایت:

سب سے پہلی روایت حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس کو امام نسائی رحمہ اللہ نے اپنی سنن (السنن الصغری) میں درج ذیل سند کے ساتھ ذکر کیا ہے:

رسول اللہ ﷺ کے غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ میری امت کی دو جماعتیں ایسی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے جہنم سے آزاد کر دیا ہے: ایک وہ جماعت جو غزوہ ہند میں شریک ہوگی اور دوسری وہ جماعت جو عیسی بن مریم علیہا السلام کے ساتھ ہو گی۔[1]

سنن نسائی کے علاوہ محدثین کرام رحمہم اللہ نے مختلف اسناد کے ساتھ درج ذیل کتب میں بھی اس حدیث کو ذکر کیا ہے، جن میں سے بعض کتب مصادرِ اوّلیہ اور بعض مصادرِ ثانویہ میں سے ہیں:

مصادرِ اولیہ

1. مسند احمد بتحقیق شعیب الأرنؤوط (37/ 81، رقم الحدیث:22396) مؤسسۃ الرسالہ، بیروت۔
2. المعجم الاوسط (7/ 23، رقم الحدیث: 6741) تحقیق: طارق بن عوض اللہ بن محمد،عبد المحسن بن ابراہیم الحسینی ،دار الحرمین ، القاہرہ۔
3. مسند الشامیین (90/3، رقم الحدیث: 1851، مؤسسۃ الرسالۃ – بیروت۔
4. السنن الکبری للبیہقی (9/ 297، رقم الاحدیث: 18600)ت: محمد عبد القادر عطا، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔
5. جزء أبي عروبہ الحرانی بروایۃ الأنطاکی (المتوفی: 318ھ) (ص: 58، رقم الحدیث58) ت:عبدالرحیم محمد احمد القشقری، الناشر: مکتبۃالرشد ، الریاض۔

مصادرِ ثانویہ

1. التاریخ الکبیر للبخاری (6/ 72رقم الترجمۃ: 1747) دائرۃ المعارف العثمانیۃ، حیدر آباد۔
2. الکامل لابن العدی (المتوفی: 365ھ) (2/ 408) دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔
3. تاریخ دمشق لابن عساکر (المتوفی: 571ھ) (52/ 248) دار الفکر للطباعۃ، بیروت۔
4. تہذیب الکمال لجمال الدین المزی (المتوفی: 742ھ) (33/ 152)مؤسسۃ الرسالۃ- بیروت۔
5. التکمیل فی الجرح والتعدیل لابن کثیر(المتوفی: 774ھ) (3/ 96) مرکز النعمان ، الیمن۔

مذکورہ روایت کی اسنادی حیثیت

مذکورہ بالا روایت کے بارے میں تتبع و تلاش کے باوجود ائمہ متقدمین رحمہم اللہ سے کوئی صریح حکم کہیں نہیں ملا، اس لیے ذیل میں مذکورہ روایت کی سند کے ہر راوی سےمتعلق ائمہ جرح وتعدیل رحمہم اللہ کے اقوال نقل کیے جاتے ہیں:

1. اس سند کے سب سے پہلے راوی محمد بن عبد اللہ بن عبد الرحیم ہیں، ان کو امام ابن یونس رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ’’ التاریخ‘‘ میں ثقہ قرار دیا ہے، علامہ مزی رحمہ اللہ نے بھی ان کو تہذیب الکمال میں امام نسائی رحمہ اللہ کے حوالے سے "ثقہ "نقل کیا ہے، ان کی وفات دو سو انچاس (249ھ) میں ہوئی۔

تاریخ ابن یونس للعلامۃ أبی سعید عبد الرحمن بن احمد بن یونس الصدفی (المتوفی: 347ھ) (1/ 452، رقم الترجمہ: 1229، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

تهذيب الكمال في أسماء الرجال (25/ 503، رقم الترجمة: 5358)مؤسسة الرسالة – بيروت

ان کے علاوہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے الکاشف (2/ 188، رقم الترجمۃ: 4961، دار القبلۃ للثقافۃ الإسلامیۃ، جدۃ) اور حافظ ابن حجررحمہ اللہ نے تہذیب التہذیب (9/ 263، رقم الترجمۃ: 439، مطبعہ دائرۃ المعارف النظامیہ، الہند) میں بھی امام ابن یونس رحمہ اللہ کے حوالے سے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔

۲۔ سند کے دوسرے راوی اسد بن موسی ہیں، ان کو علامہ جمال الدین مزی رحمہ اللہ نے ''تہذیب الکمال'' میں امام نسائی رحمہ اللہ کے حوالے سے "ثقہ" نقل کیا ہے، نیز امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کو ''مشہور الحدیث'' قرار دیا ہے، ان کی وفات دوسوبارہ ہجری(212ھ) میں ہوئی۔

ان کے علاوہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ '' تہذیب التہذیب (1/ 260، رقم الترجمۃ: 494، مطبعۃ دائرۃ المعارف النظامیۃ، الہند) میں امام عجلی اور امام بزار رحمہما اللہ کے حوالے سے ان کو" ثقہ" قرار دیا ہے، نیزعلامہ ذہبی رحمہ اللہ نے الکاشف (241/1، رقم الترجمۃ: 334، دار القبلۃ للثقافۃ الإسلامیۃ ، جدۃ) میں بھی ان کو ثقہ لکھا ہے۔

۳۔ تیسرے راوی ابو محمد بقیہ بن ولید کلاعی ہیں، ان کے بارے میں ائمہ جرح وتعدیل کے اقوال مختلف ہیں، امام محمد بن سعدرحمه اللہ نے کہا اگر یہ ثقات سے روایت بیان کریں تو یہ ثقہ اور اگر ضعاف سے روایت لیں تو یہ ضعیف شمار ہوں گے، امام احمد بن عبداللہ عجلی رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر یہ معروف محدثین سے روایت کریں تو "ثقہ" اور اگر یہ مجہول افراد سے حدیث روایت کریں تو "فلیس بشیئ" کے الفاظ نقل فرمائے، علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے جمہور ائمہ کرام کے حوالے سے ثقات سے لی گئی روایات کے سلسلہ میں

ان کو ثقہ قرار دیا ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کی روایت اپنی ''صحیح'' میں استشہادا اور "الادب المفرد" میں اصالتاً اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی "صحیح" میں متابعتاً لی ہے، نیز دیگر ائمہ کرام رحمہم اللہ نے بھی ان کی روایت کو استدلال اور استشہاد کےطور پر پیش کیا ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان کو صدوق کہہ کر لکھا ہے کہ یہ ضعاف سے روایات لے کر آگے بیان کرنے میں تدلیس سے کام لیتے ہیں، اسی لیے علامہ شعیب ارنؤوط اور علامہ بشار عوّاد رحمہما اللہ نے '' تحریر تقریب التہذیب''میں ان پر ضعف کا حکم لگایاہے۔ البتہ امام نسائی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اگر یہ حدثنا یا اخبرنا کے الفاظ سے روایت بیان کریں تو یہ "ثقہ" ہوں گے اور ان کی روایت مقبول ہو گی، ورنہ نہیں۔ائمہ کرام رحمہم اللہ کی عبارات سے یہی قول راجح اور فیصلہ کن معلوم ہوتا ہے، لہذا اس راوی کی روایت صیغۂ تحدیث یا اخبار کے ساتھ آئے تو احکام اور فضائل دونوں میں قبول ہے اور اگر اس کے بغیر(صیغۂ عن کے ساتھ) ہو تو احکام کے باب میں قبول نہیں، البتہ احکام میں توابع و شواہد کے طور پر اور فضائل و اخبار میں عمل کے لیے قبول ہے۔

اور چونکہ مذکورہ روایت صیغہ تحدیث کے ذریعہ بیان کی گئی ہے، اس لیے راوی کے محدّث ہونے کی وجہ سے اس روایت میں ضعف نہیں آئے گا اور یہ روایت احکام اور فضائل دونوں میں قبول ہو گی۔ اس راوی کی وفات ایک سو ستانوے ہجری (197ھ) میں ہوئی۔

۴) سند کے چوتھے راوی ابوبکر بن ولید بن عامر زبیدی شامی ہیں، ان کو حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے ''مجہول الحال'' قرار دیا ہے، اس کے علاوہ ان کے بارے میں ائمہ کرام رحمہم اللہ کی عبارات میں جرح و تعدیل کا کوئی قول نہیں ملا، نیز کتبِ صحاح میں بھی اس کی روایات مذکور نہیں۔

۵۔ اس سند کے پانچویں راوی محمد بن الولید زبیدی ہیں، ان کی بہت سے ائمہ کرام رحمہم اللہ نے توثیق کی ہے، چنانچہ حافظ جمال الدین مزی رحمہ اللہ نے علامہ عجلی، امام علی بن مدینی، امام ابو زرعہ رازی، امام ابنِ حبان اورامام نسائی رحمہم اللہ وغیرہ کے حوالے سے ان کو "ثقہ" نقل کیا ہے، یہ امام زہری رحمہ اللہ کے شاگردوں میں سے ہیں اور دس سال تک ان کی صحبت میں رہے ہیں، ان کی وفات ایک سو سینتالیس ہجری(147ھ) میں ہوئی۔

ان کے علاوہ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے'' الکاشف''(2/ 228، رقم الترجمۃ: 5199، دار القبلۃ للثقافۃ الإسلامیۃ ، جدۃ) میں اور حافظِ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے تہذیب التہذیب(9/ 502، رقم الترجمۃ: 828، مطبعۃ دائرۃ المعارف النظامیۃ، الہند) اور تقریب التہذیب (ص: 511، رقم الترجمۃ: 6372، دار الرشید - سوریا) میں بھی ان کو ثقہ نقل کیا ہے۔

۶۔ چھٹے راوی لقمان بن عامر وصابی ہیں، ان کو امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی کتاب '' الثقات'' میں نقل کیا ہے، علامہ عجلی رحمہ اللہ نے بھی ان کو ثقہ قرار دیا ہے، امام ابو حاتم رازی رحمہ اللہ سے ان کے بارے میں''یُکتب حدیثہ'' کے الفاظ نقل کیے گئے ہیں۔ نیز ان کی احادیث کو کتبِ صحاح میں بھی نقل کیا گیا ہے۔ ان کی وفات ایک سو گیارہ یا ایک سو بیس ہجری (111یا 120ھ) میں ہوئی۔

۷۔اس روایت کی سند کے ساتویں راوی عبد الاعلی بن عدی بہرانی ہیں، ان کوامام ابنِ حبان، حافظ جمال الدین مزی اور حافظ ذہبی رحمہم اللہ نے "ثقہ" نقل کیا ہے، یہ تابعی ہیں اور انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے بھی روایات لی ہیں، ان کی وفات ایک سو چار ہجری (104ھ) میں ہوئی۔

۸۔اس سند کے آخری راوی حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ ہیں جو مشہور صحابی رسول ﷺ ہیں اور وہ اس روایت کو حضوراکرمﷺ سے نقل کرتے ہیں۔

حاصلِ عبارات

پیچھے ذکرکردہ ائمہ جرح وتعدیل رحمہم اللہ عبارات سے معلوم ہوا کہ اس روایت کی سند کے ایک راوی کے علاوہ بقیہ سب رواۃ ثقہ ہیں اور وہ راوی ابوبکر بن ولید بن عامر زبیدی ہیں، ائمہ جرح وتعدیل کی کتب میں ان کی توثیق کہیں نہیں ملی، اسی لیے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کو تقریب التہذیب میں ''مجہول الحال'' قرار دیا ہے اور ائمہ جرح وتعدیل کے ہاں یہ کمزور درجے کی جرح ہے اور ایسے راوی کی روایت ضعیف بدرجہ خفیف شمار ہوتی ہے، جو کہ احکام کے باب میں اصالتاً نہیں لی جاتی، البتہ فضائل میں عمل کے لیے اور احکام میں توابع و شواہد کے طور پر قبول ہوتی ہے اور مذکورہ روایت کا تعلق فضائل کے باب سے ہے، اس لیے یہ روایت فضائل میں مخصوص شرائط کے ساتھ مقبول ہو گی، نیز اس روایت کا متابع بھی موجود ہے، جس کی تفصیل یہ ہے:

حضرتِ ثوبان رضی اللہ عنہ کی حدیث کا متابع

حضرتِ ثوبان رضی اللہ عنہ کی حدیث کے متابعات بھی موجود ہیں، ایک متابع کو امام ابو بکر بن ابی عاصم اپنی کتاب ''الجہاد'' میں درج ذیل سند کے ساتھ ذکر کیا ہے:

الجهاد لابن أبي عاصم (2/ 665، رقم الترجمة: 288) أبو بكر بن أبي عاصم وهو أحمد بن عمرو بن الضحاك بن مخلد الشيباني (المتوفى: 287ھ) مكتبة العلوم والحكم - المدينة المنورة۔

نیز اسی طریق کے ساتھ یہ روایت امام طبرانی رحمہ اللہ نے ''المعجم الاوسط'' میں اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی ''السنن'' میں نقل کی ہے۔

اس سند میں بقیہ راوی گزشتہ سند والے ہی ہیں، البتہ اس میں محمد بن ولید سے روایت لینے والے جراح بن ملیح بہرانی ہیں ، جن کو امام نسائی رحمہ اللہ نے "لیس بہ باس"، امام ابوحاتم رحمہ اللہ نے"صالح

الحدیث" کہا اور امام ابن حبان رحمہ اللہ نے ثقات میں نقل کیا ہے اور حافظ جمال الدین مزی اور حافظ ابن حجررحمہما اللہ نے ابن عدی رحمہ اللہ کے حوالے سے ان کی احادیث کا''صالحہ "اور "جیاد"(عمدہ) ہونا نقل کیا ہے:

تهذيب الكمال في أسماء الرجال (4/ 520، رقم الترجمة: 911) مؤسسة الرسالة – بيروت۔

جراح بن ملیح سے نقل کرنے والے ہشام بن عمار رحمہ اللہ ہیں، جن کو علامہ مزی اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے یحی بن معین رحمہ اللہ کے حوالے سے "ثقہ" نقل کیا ہے، نیز ان سے امام بخاري رحمہ اللہ نے بھی روایات لی ہیں، ان کی وفات دوسو پینتالیس ہجری (245ھ) میں ہوئی۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی روایت کا حکم

مذکورہ روایت (جس کو ابوبکر بن ابی عاصم نے نقل کیا ہے) کے چونکہ سب راوی ثقہ ہیں،([2]) اس لیے حضرت ثوبان رضی اللہ کی یہ روایت سند کے اعتبار سے صحیح یا کم از کم" حسن لذاتہ "درجے کی ہے، چنانچہ علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے اس روایت کو امام نسائی رحمہ اللہ کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے،[3] جبکہ علامہ مناوی رحمہ اللہ نے اس پر" حسن" کا حکم لگایا ہے، بہر حال یہ روایت صحیح ہو یا حسن، اس سے غزوۂ ہند کی فضیلت پر استدلال کرنا درست ہے۔

نمبر۲: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ کی روایت

غزوۂ ہند سے متعلق دوسری روایت حضرت ابوہریرہؓ کی ہے، جو مختلف الفاظ کے ساتھ تین طرق سے مروی ہے، پہلے طریق کو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے:

مسند أحمد ت: شاكر (6/ 532) دار الحديث – القاهرة

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ " رسول اللہﷺ نے ہم سے غزوہ ہند(میں شرکت) کے بارے میں وعدہ لیا ہے، لہذا اگر میں اس لشکر کو پا لوں اور میں (اس میں شریک ہوکر) شہید ہوگیا تو میں بہترین شہداء میں سے ہوں گا اور اگر (غازی بن کر) واپس لوٹ آیا تو میں (جہنم سے) آزاد ابوہریرہ ہوں گا۔

مذکورہ روایت کو امام احمد رحمہ اللہ کے علاوہ امام نسائی رحمہ اللہ نے اپنی سنن (6/ 42، رقم الحديث: 3173، مكتب المطبوعات الإسلامية – حلب) میں ، امام بزار رحمہ اللہ نے اپنی ''مسند'' (15/ 302، رقم الحديث: 8819، مكتبة العلوم والحكم - المدينة المنورة) میں اور امام ابو بکر بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی ''دلائل النبوة '' (6/ 336، رقم الحديث: 18599، دار الكتب العلمية، بيروت) میں ذکر کیا ہے۔

واضح رہے مذکورہ روایت کے بعض طرق (جس کا ذکر آگے آرہا ہے) میں آگ سے آزاد ہونے کی تصریح ہے، اس لیے ترجمہ میں جہنم سے آزادی کی تصریح کی گئی ہے۔

مذکورہ روایت کی اسنادی حیثیت

مذکورہ روایت کی سند میں حضور اکرمﷺ تک کل چار راوی ہیں، ان کے بارے میں ائمہ جرح وتعدیل رحمہم اللہ کے اقوال ملاحظہ فرمائیں:

۱۔اس سند کے سب سے پہلے راوی ابو معاویہ ہشیم بن بشیر بن قاسم دینار سلمی ہیں، ان کو امام احمد بن عبداللہ عجلی (المتوفی:261ھ) نے ''الثقات'' میں اور امام ابو عبد اللہ محمد بن سعد (المتوفی: 230ھ) نے ''الطبقات'' میں ثقہ قرار دیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ ان کو حفاظِ حدیث میں سے شمار کیا جاتا تھا، اسی طرح حافظ جمال الدین مزی رحمہ اللہ نے ''تہذیب الکمال'' میں اور علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے ''الکاشف'' میں ان کو "ثقہ" نقل کیا ہے،[4] نیز ان سے کتب ستہ کے مصنفین رحمہم اللہ نے روایات لی ہیں، البتہ ان کی طرف تدلیس کی نسبت کی گئی ہے، اسی لیے محمد بن سعد رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اگر یہ صیغۂ اخبار کے ذریعہ روایت بیان کریں تو ان کی روایت حجت ہےاور اگر صیغۂ اخبار یا تحدیث کے بغیر روایت بیان کریں تو ان کی روایت بنفسہ اصالتاً حجت نہیں ہے اور یہ روایت صغۂ اخبار وتحدیث کے ساتھ نہیں، بلکہ ''عن'' کے ساتھ مروی ہے، اس لیے اس روایت میں ضعفِ خفیف ہے، البتہ اس روایت کا تعلق فضائل کے باب سے ہے اور فضائل میں ایسی روایت شرائط کے ساتھ مقبول ہوتی ہے، لہذا ان کی یہ روایت غزوۂ ہند کی فضیلت کے سلسلہ میں مقبول ہو گی، ان کی وفات ایک سو تراسی ہجری(183ھ) میں ہوئی۔

الطبقات الكبرى لابن سعد 7/ 227، رقم الترجمة: 3422) دار الكتب العلمية، بيروت

۲۔ دوسرے راوی ابو الحکم سیار واسطی ہیں، ان کو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اور امام ابن حبان رحمہ اللہ نے ثقہ قرار دیا ہے، ان سے بھی کتب ستہ کے مصنفین رحمہم اللہ نے احادیث لی ہیں، ان کی وفات ایک سو بائیس ہجری (122ھ) میں ہوئی۔[5]

۳۔تیسرے راوی جبربن عَبِید ہ ہے، ان کی توثیق اور تضعیف کے سلسلے میں ائمہ کرام رحمہم اللہ کی عبارات سے دو طرح کی آراء معلوم ہوتی ہیں:

پہلی رائے:بعض ائمہ کرام رحمہم اللہ کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ راوی مقبول ہے، جس کی وجوہ درج ذیل ہیں:

۱۔امام ابنِ حبان رحمہ اللہ نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔[6]

۲۔ دیگر کبار ائمہ کرام جیسے امام بخاری اور امام ابو حاتم رازی رحمہما اللہ نے اس راوی کا ذکرکرکے اس پر کوئی جرح نہیں کی، جبکہ عام طور پر ائمہ جرح وتعدیل مجروح رواۃ کی نشاندہی ضرور کرتے ہیں۔

۳۔ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے ''تقریب التہذیب '' میں ان کو "مقبول" لکھا ہے۔

دوسری رائے: دوسری رائے کے مطابق یہ راوی ضعیف معلوم ہوتا ہے، جس کی وجوہ درج ذیل ہیں:

۱۔حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کو میزان الاعتدال میں''لا یعرف'' اور دیوان الضعفاء میں''مجہول'' کہا ہے اور اس بات کی بھی تصریح کی ہے کہ جبر بن عبیدہ سےمروی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت منکر ہے۔[7]

۲۔حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے بھی تہذیب التہذیب اور لسان المیزان میں اس راوی کے بارے میں امام ذہبی رحمہ اللہ کا قول '' لایعرف'' ذکر کرنے پر اکتفاء کیا ہے اور اپنی ذاتی رائے ذکر نہیں کی۔

اقوال کے درمیان مناقشہ

ائمہ کرام رحمہم اللہ کے اقوال سے راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس راوی میں کسی حد تك ضعف ہے، جیسا کہ علامہ ذہبی کی ''میزان الاعتدال، دیوان الضعفاء'' اور حافظِ ابن حجر کی ''تہذیب التہذیب'' اور''لسان المیزان'' میں اس کے بارے میں''لایعرف'' کے الفاظ ذکر کیے گئے ہیں، جو کہ ضعف کا ایک خفیف درجہ ہے۔[8]

جہاں تک امام ابنِ حبان رحمہ اللہ کی عبارت کا تعلق ہے تو علامہ ذہبی رحمہ اللہ کی تصریح کے مطابق وہ مجاہیل کی توثیق کے معاملے میں تساہل سے کام لیتے ہیں[9] اور حافظِ ابنِ حجر رحمہ اللہ کا''تقریب التہذیب'' میں''مقبول'' کہنا کمزور درجے کی تعدیل ہے اور ائمہ کرام رحمہم اللہ کی تصریح کے مطابقایسے راوی کی روایت احکام کے باب میں قبول نہیں ہوتی ، البتہ فضائلواخبار میں شرائط کے ساتھ اور احکام میں اعتبار کے لیے قبول ہوتی ہے، لہذا بہرصورت (یہ راوی مقبول ہو یا ضعیف) اس روایت پر اسنادی اعتبار سے ضعفِ خفیف کا حکم لگے گا، جیسا کہ علامہ شعیب ارنؤوط رحمہ اللہ نے اسی راوی کی وجہ سے اس روایت پر ضعف کا حکم لگایا ہے۔

لیکن شیخ احمد شاکر رحمہ اللہ نے اس روایت کی سند پر صحت کا حکم لگایا ہے، ان کا کہنا یہ ہے کہ جبربن عبیدہ کی روایت کو امام بخاری اور ان سے پہلے دیگر ائمہ کرام رحمہ اللہ نے منکر نہیں کہا اور نہ ہی ان پر ائمہ کرام رحمہم اللہ نے جرح کی ہے، لہذا ان کی خبر کو منکر کہنا تحکم اور سینہ زوری ہے۔[10]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کا پہلا متابع

مذکورہ بالا روایت کے پہلے راوی یحی بن اسحاق ہیں، جن کو امام ابنِ سعد اور علامہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے "ثقہ" نقل کیا ہے۔[11] دوسرے راوی براء بن عبداللہ بن یزید غنوی ہیں، ان کو امام احمد بن حنبل نے ضعیف کہا ہے، امام یحی بن معین رحمہ اللہ کے اس بارے میں دوقول منقول ہیں: ایک میں "ضعیف" اور دوسرے میں" لیس بہ باس" کے اقوال منقول ہیں، نیز انہوں نے ابوالولید کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں براء بن یزید سے روایت نہیں کرتا، کیونکہ وہ" متروک الحدیث" راوی ہے۔ امام ابن عدی، امام نسائی اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے براء بن عبداللہ کو ابو نضرہ منذر بن مالک کی روایات کے بارے میں ضعیف قرار دیا ہے، البتہ حافظ ابنِ حجر نے تقریب التہذیب میں ان پر مطلقاً "ضعف" کا حکم لگایا ہے۔[12]

تیسرے راوی حضرت حسن بصری رحمہ اللہ ہیں، جن سے براء بن عبداللہ نے روایت لی ہے، یہ مشہور تابعی اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی باندی کے بیٹے ہیں، ان کو بہت سے ائمہ کرام رحمہم اللہ نے زاہد، عابد، امام اور ثقہ قرار دیا ہے، البتہ ان کی طرف تدلیس کی نسبت بھی کی گئی ہے، یہ اس روایت کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ سے نقل کرتے ہیں اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان کے سماع کے بارے میں ائمہ کرام رحمہم اللہ کے دو قول ہیں: بعض ائمہ کرام رحمہم اللہ نے سماع کے ثبوت کا قول کیا ہے، جبکہ اکثر حضرات نے سماع کی نفی کی ہے،[13] چنانچہ امام عبد الرحمن ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے امام ابوزرعہ رازی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ جو شخص حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے حوالے سے یوں نقل کرے: ''حدثنا أبو هريرة'' یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ہم سے بیان کیا تو اس نے خطا کی، اسی طرح کی عبارت امام یحی بن معین رحمہ اللہ کے حوالے سے بھی نقل کی گئی ہے۔

پیچھے ذکرکردہ ائمہ کرام رحمہ اللہ کے اقوال سے معلوم ہوا کہ یہ روایت بھی براء بن عبداللہ غنوی کے ضعف اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہ ہونے کی وجہ سے اس کی سند میں ضعف خفیف ہے، چنانچہ علامہ شعیب ارنؤوط رحمہ اللہ نے مسندِ احمد کی تخریج میں اس روایت پر بھی ضعف کا حکم لگایا ہے۔

البتہ اس روایت میں بھی ضعفِ شدید نہیں، کیونکہ اس کے کسی راوی پر شدید جرح نہیں کی گئی، لہذا یہ طریق گزشتہ روایت کے متابع کے طور پر قبول ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کا دوسرا متابع

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے غزوہ ہند سے متعلق تیسرے طریق کو امام ابن ابی عاصم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الجہاد'' میں ذکر کیا ہے، جس کی سند یوں ہے:

الجهاد لابن أبي عاصم (2/ 668) مكتبة العلوم والحكم - المدينة المنورة.

مذکورہ روایت میں ایک راوی ہاشم بن سعید کو عبدالرحمن بن ابی حاتم نے یحی بن معین اور اپنے والد ابو حاتم رازی رحمہ اللہ کے حوالے سے "ضعیف الحدیث" قرار دیا ہے، اس کے علاوہ اس طریق کے بقیہ راوی ثقہ ہیں، لہذا یہ طریق بھی ہاشم بن سعید کی وجہ سے سنداً ضعیف ہے، البتہ اس میں بھی ضعف شدید نہیں ہے، کیونکہ اس راوی پر سخت جرح نہیں کی گئی:

عبد الصمد بن عبد الوارث التنوري أبو سهل الحافظ عن هشام الدستوائي وشعبة وعنه ابنه عبد الوارث وعبد والترقفي حجة مات 207 ع۔[14]

كنانة عن مولاته صفية وعثمان وعنه زهير بن معاوية ومحمد بن طلحة وجماعة وثق ت۔[15]

حاصلِ عبارات

پیچھے ذکرکردہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت جبر بن عبیدہ کی وجہ سے ضعیف ہے، البتہ اس میں ضعف شدید نہیں،اس لیے بقیہ دو طرق کی متابعت کی وجہ سے یہ روایت سند کے اعتبار سے حسن لغیرہ شمار ہو گی، کیونکہ ضعیف روایت توابع یا شواہد (جس کو محدثین کرام رحمہم اللہ کی اصطلاح میں کثرتِ طرق بھی کہا جاتا ہے) سنداً حسن لغیرہ کے درجے کو پہنچ جاتی ہے۔

نمبر۳: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت کو امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ[16] نے اپنی ''مسند'' میں ذکر کیا ہے:

حضرت ابوہریرۃؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺنے ہندوستان کا تذکرہ کیا اور ارشاد فرمایا: "ضرور تمہارا ایک لشکر ہندوستان سے جنگ کرے گا، اللہ ان مجاہدین کو فتح عطا فرمائے گا حتیٰ کہ وہ (مجاہدین) سند(دوسری روایت میں ہند کا ذکر ہے) کے بادشاہوں کوبیڑیوں میں جکڑ کر لائیں گے اور اللہ ان کی مغفرت فرما دے گا۔ پھرجب وہ مسلمان واپس پلٹیں گے تو شام میں عیسیٰ ابن مریم کو پائیں گے۔" حضرت ابوہریرۃ نے عرض کیا: "اگر میں نے وہ غزوہ پایا تو اپنا نیا اور پرانا سب مال بیچ دوں گا اور اس میں شرکت کروں گا اور جب اللہ تعالیٰ ہمیں فتح عطاکردیں گے اور ہم واپس لوٹ آئیں گے تو میں ایک آزاد ابوہریرہ ہوں گا ۔جب یہ لشکر ملک شام میں آئے گا تو وہاں عیسیٰ ابن مریم کو پائے گا۔ یارسول اللہ! اس وقت میری شدید خواہش ہوگی کہ میں ان کے پاس پہنچ کر انہیں بتاؤں کہ میں آپ ﷺکا صحابی ہوں،حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضور ﷺمسکرائے اور فرمایا: آخرت کی جنت دنیا کی جنت کی طرح نہیں ہوگی، آدمی ان (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) سے خوف کی حالت میں ملے گا، جیسا کہ موت کا خوف۔ وہ مردوں کے چہروں پر ہاتھ پھیریں گے اور ان کو جنت کے درجات کی بشارت دیں گے۔

امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ نے اسی روایت کو دوسری جگہ اختصار کے ساتھ نقل کیا ہے اور اس میں صرف یہاں تک تصریح ہے کہ ''جب یہ مجاہدین واپس لوٹیں گے تو شام میں حضرت عیسی علیہ السلام سے کو پائیں گے'' اس کے بعد کی تفصیل (جو گزشتہ روایت میں گزری) اس میں مذکور نہیں ۔

روایت کی اسنادی حیثیت

اس روایت کے بارے میں بھی کسی امام کا صریح کلام نہیں ملا، اس لیے ائمہ جرح وتعدیل کا اس سند کے رواۃ کے بارے میں کلام ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ اس سند کے سب سے پہلے راوی یحی بن یحی بن بکر بن عبدالرحمن حنظلی ہیں، ان کو امام احمد بن حنبل، امام نسائی، امام اسحاق بن راہویہ اور بہت سے ائمہ کرام رحمہم اللہ نے ثقہ قرار دیا ہے، ان سے حضرات شیخین یعنی امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے بھی احادیث لی ہیں، ان کی وفات دو سو چھبیس ہجری (226ھ) میں ہوئی۔

۲۔اس سند کے دوسرے راوی اسماعیل بن عیاش بن سلیم عنبسی ہیں، ان کے بارے میں امام یحی بن معین رحمہ اللہ نے ’’ لیس بہ بأس‘‘ کہا ہے، امام ابو حاتم رازی رحمہ اللہ نے ان کے بارے میں ’’لین یکتب حدیثہ‘‘ کے الفاظ ذکر کر کے فرمایا کہ مجھے علم نہیں کہ ان سے حدیث لینے سے کسی شخص نے انکار کیا ہو سوائے ابو اسحاق فزاری کے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے نتیجتاً ان پر اپنے شہر والوں سے لی جانے والی روایات کے سلسلے میں ’’تقریب التہذیب‘‘ میں ’’صدوق‘‘ کا حکم لگایا ہے۔

إسماعيل ابن عياش ابن سليم العنسي بالنون أبو عتبة الحمصي صدوق في روايته عن أهل بلده مخلط في غيرهم من الثامنة مات سنة إحدى أو اثنتين وثمانين وله بضع وسبعون سنة 4۔[17]

۳۔اس سند کے تیسرے راوی صفوان بن عمرو ہیں، علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے الکاشف میں، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تقریب التہذیب میں اور علامہ مزی رحمہ اللہ نے تہذیب الکمال میں امام ابو حاتم رازی، امام نسائی، امام محمد بن سعد اور امام عبد اللہ بن مبارک وغیرہ رحمہم اللہ کے حوالے سے ان کو "ثقہ" نقل کیا ہے، امام عمرو بن علی رحمہ اللہ نے ان کو ’’ثبت فی الحدیث‘‘ کہا ہے اور امام یحی بن معین رحمہ اللہ نے ان کے بارے میں تعریفی کلمات کہے ہیں، ان سے امام بخاری رحمہ اللہ نے ’’الادب المفرد میں اور ان کے علاوہ امام مسلم، امام ابوداود، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن خزیمہ اور امام ابن حبان وغیرہ رحمہم اللہ نے روایات لی ہیں، ان کی وفات ایک سو پچپن ہجری (155ھ) میں ہوئی۔

۴۔اس روایت کے چوتھے راوی وہ ہیں جن سے صفوان بن عمرو رحمہ اللہ نے روایت لی ہے، مگرصفوان بن عمرو رحمہ اللہ نے ان کا نام نہیں ذکر کیا، بلکہ لفظ’’شیخ‘‘کہہ کر روایت بیان کی ہے،جبکہ اس شیخ کی عدالت وثقاہت اور ضبط کے بارے میں کچھ علم نہیں، لہذا اس شیخ کے مبہم ہونے کی وجہ سے یہ روایت ضعیف ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تصریح کی ہے کہ جب تک روایت کی سند میں راوی کا نام مذکور نہ ہو اس وقت تک اس کی روایت قبول نہیں کی جائے گی۔

- أو لا يسمى الراوي، اختصارا من الراوي عنه. كقوله: أخبرني فلان، أو شيخ، أو رجل، أو بعضهم، أو ابن فلان. ويستدل على معرفة اسم المبهم بوروده من طريق أخرى مسمى. وصنفوا فيه المبهمات. ولا يقبل حديث المبهم، ما لم يسم، لأن شرط قبول الخبر عدالة رواته، ومن أبهم اسمه لا يعرف عينه؛ فكيف عدالته.[18]

اس سند کے آخری راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے اس کورسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے۔

مذکورہ سند کے رواۃ کے بارے میں ائمہ کرام رحمہم اللہ کے اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ اس روایت کے بقیہ سب راوی ثقہ اور صدوق ہیں، البتہ اس سند میں چونکہ ایک مبہم راوی موجود ہے اورراوی کامبہم ہونا ضعف کا مقتضی ہے، اس لیے یہ روایت ضعیف ہے، لیکن اس میں ضعفِ شدید نہیں ہے، لہذا اگر اس کا کوئی معتبر متابع یا شاہد موجود ہو تو یہ یہ روایت مقبول ہو سکتی ہے۔ اس روایت کے متابعات اور شواہد کو نعیم بن حماد رحمہ اللہ نے ’’الفتن‘‘ میں ذکر کیا ہے، جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ نعیم بن حماد کی پہلی روایت بطریق صفوان۔

مذکورہ روایت کے ایک متابع کو نعیم بن حماد رحمہ اللہ(متوفی: 228ھ) [19]نے اپنی کتاب ’’الفتن‘‘ میں درج ذیل سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

الفتن لنعيم بن حماد (1/ 409، رقم الحديث: 1236) مكتبة التوحيد، القاهرة۔

روایت کی اسنادی حیثیت

مذکورہ روایت کی سند کے رواۃ کے بارے میں ائمہ کرام رحمہم اللہ کے اقوال یہ ہیں:

۱۔پہلے راوی ابو محمد بقیہ بن ولید کلاعی ہیں، ان کے بارے میں ائمہ جرح وتعدیل کے اقوال مختلف ہیں، جیسا کہ صفحہ نمبر(4) پر تفصیل گزر چکی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض نے کہا اگر یہ ثقات سے روایت بیان کریں تو یہ ثقہ اور اگر ضعاف سے روایت لیں تو ان کی روایت مقبول نہیں، علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے جمہور ائمہ کرام کے حوالے سے ثقات سے لی گئی روایات کے سلسلہ میں ان کو ثقہ قرار دیا ہے، امام نسائی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اگر یہ حدثنا یا اخبرنا کے الفاظ سے روایت بیان کریں تو ان کی روایت مقبول ہو گی، ورنہ نہیں۔ائمہ کرام رحمہم اللہ کی عبارات سے یہی قول راجح معلوم ہوتا ہے، جبکہ مذکورہ روایت صیغہ عن کے ذریعہ بیان کی گئی ہے، لہذا تدلیس کی وجہ سے اس روایت میں ضعف خفیف آئے گا اور ان کی یہ روایت فضائل کے باب میں قبول ہو گی۔ اس راوی کی وفات ایک سو ستانوے ہجری (197ھ) میں ہوئی۔

۱۔اس سند کے دوسرے راوی صفوان بن عمرو ہیں، جن کو ائمہ کرام رحمہم اللہ نے ثقہ قرار دیا ہے اور ان کے تفصیلی حالات صفحہ نمبر(24) پر پیچھے گزر چکے ہیں، ان کی وفات(155ھ) میں ہوئی۔

۲۔سند کے تیسرے راوی صفوان بن عمرو رحمہ اللہ کے شیخ ہیں ، جن کا نام مذکور نہیں اور وہ اس روایت کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

پیچھے ذکر کردہ عبارات کا خلاصہ یہ کہ اس سند میں ایک راوی ولید بن مسلم چونکہ مدلس راوی ہے اور مدلس کی معنعن روایت قبول نہیں، البتہ پیچھے ذکر کی گئی مسندِ اسحاق بن راہویہ کی روایت میں اس کا متابع اسماعیل بن عیاش موجود ہے، اس لیے ولید کی تدلیس کی وجہ سے پیدا ہونے والا ضعف اس روایت کو نقصان نہیں دے گا۔

البتہ اس روایت کی سند میں بھی مبہم راوی موجود ہے، کیونکہ صفوان بن عمرو نے اپنے شیخ کا نام ذکر نہیں کیا ، اس لیے یہ روایت بھی ضعیف ہے اور اس کی وجہ سے مسندِ اسحاق بن راہویہ کی روایت کاضعف دور نہیں ہو گا، البتہ اس کی وجہ سے مسندِ اسحاق کی روایت میں کچھ تقویت آ جائے گی۔[20]

تنبیہ

واضح رہے کہ نعیم بن حماد نے ’’الفتن‘‘ میں ایک اور روایت بھی نقل کی ہے، جس میں مبہم راوی سمیت بقیہ راوی گزشتہ سند والے ہی ہیں، البتہ اس میں حضوراکرم ﷺ سے نقل کرنے والے صحابی کا نام بھی مذکور نہیں، بلکہ صفوان بن عمرو رحمہ اللہ نے جس شیخ سے روایت لی ہے وہ بغیر کسی صحابی کا نام ذکر کیے اس کو نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں اور درمیان میں ساقط راوی کے بارے میں کوئی علم نہیں کہ اس نے کسی صحابی سے یہ روایت لی ہے یا کسی تابعی سے؟ پھر تابعی سے لینے کی صورت میں یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ تابعی ثقہ ہے یا ضعیف؟

نیز اس سند کے پہلے راوی ولید بن مسلم کی طرف تدلیس التسویہ (جس کی صورت یہ ہے کہ مدلس راوی کسی ایسے ثقہ شیخ سے روایت کرے جس نے ضعیف راوی سے روایت لی ہو اور اس ضعیف راوی نے آگے کسی ثقہ شیخ سے روایت نقل کی ہو تو مدلس راوی دونوں ثقہ شیوخ کے درمیان ضعیف راوی کا واسطہ ساقط کر کے دونوں ثقہ شخصوں کو آپس میں ملا دیتا ہے، جس سے سند سے بظاہر ضعف ختم ہو جاتا ہے، یہ تدلیس کی سب سے خطرناک قسم ہے) کی نسبت کی گئی ہے اور مدلس کی صیغہ" عن "سے کی گئی روایت فضائل کے باب میں بھی ثبوت کا فائدہ نہیں دیتی۔

نمبر۲: نعیم بن حماد کی دوسری روایت بطریق کعب۔

غزوہ ہند سے متعلق دوسری روایت کو نعیم بن حماد رحمہ اللہ نے ’’الفتن‘‘ میں یوں نقل کیا ہے:

ترجمہ: حضرت کعب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بیت المقدس کا بادشاہ ایک لشکر ہند کی طرف بھیجے گا، وہ لشکر ہند کو فتح کرے گا، وہ ہند کی سرزمین کو روند ڈالے گا اور اس کے خزانے نکال لے گا، بادشاہ ان خزانوں کو بیت المقدس کی زیب و زینت کےلیے مختص کر دےگا، وہ لشکر ہند کے بادشاہوں کو طوق پہنا کر لائے گا اور وہ لشکر مشرق اور مغرب کے درمیان کے علاقوں کو فتح کرے گا اور وہ دجال کے نکلنے تک ہند میں رہےگا۔

روایت کی اسنادی حیثیت

یہ روایت نعیم بن حماد کی''الفتن'' کے علاوہ کسی اور کتاب میں نہیں ملی، اس کی اسنادی حیثیت کے بارے میں ائمہ کرام رحمہم اللہ سے صریح حکم کہیں نہیں ملا، اس لیے ائمہ جرح وتعدیل رحمہم اللہ کے اقوال کی روشنی میں رواۃ کے احوال ملاحظہ فرمائیں:

۱۔اس سند کےپہلے راوی حکم بن نافع ہیں، جن سے کتبِ ستہ کے مصنفین نے روایات لی ہیں، ان کو علامہ مزی رحمہ اللہ نے مختلف ائمہ کرام رحمہم اللہ کے حوالے سے ثقہ نقل کیا ہے، ان کی وفات دو سو بائیس ہجری (222ھ) میں ہوئی۔

۲۔حکم بن نافع بہرانی رحمہ اللہ نے سند کے دوسرے راوی کا نام ذکر نہیں کیا، جس کی وجہ سے وہ راوی مبہم ہے اور اس کی وجہ سے روایت میں ضعف آ جاتا ہے، اگرچہ یہ ضعف شدید نہیں، جیسا کہ پیچھے گزر چکا۔

۳۔تیسرے راوی ابو اسحاق کعب بن ماتع حمیری ہیں اور یہ کعب احبار کے نام سے معروف ہیں، یہ مشہور تابعی ہیں، ایک قول کے مطابق یہ حضرت ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اسلام لائے تھے، حضور اکرم ﷺ سے مرسلاً روایت کرتے ہیں، انہوں نے صحابہ کرام میں سے حضرت ابوہریرہ، حضرت معاویہ، حضرت ابن عباس، حضرت عائشہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم سے روایات لی ہیں، ابن سعد رحمہ اللہ نے ان کو شام کے طبقۂ اولیٰ کے تابعین میں سے شمار کیا ہے، ان سے کتب ستہ کے مصنفین کرام رحمہم اللہ نے روایات لی ہیں، بتیس ہجری (32ھ) میں ان کا انتقال ہوا۔

واضح رہے کہ مذکورہ سند میں کعب کی تصریح نہیں کی گئی کہ یہاں کون سے کعب مراد ہیں؟ کعب احبار رحمہ اللہ(جو مشہور تابعی ہیں) یا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ(جو مشہور صحابی ہیں)؟ اس لیے فی نفسہ اس میں دونوں احتمال موجود ہیں، کیونکہ حکم بن نافع سے مروی روایات کے طرق میں دونوں حضرات کا نام موجود ہے۔[21] البتہ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کعب احبار رحمہ اللہ مراد ہیں، کیونکہ حکم بن نافع رحمہ اللہ نے فتن کی اکثر احادیث(جو حضرت کعب کے طریق سے مروی ہیں) شریح بن عبید (ان کو علامہ مزی رحمہ اللہ نے امام احمد بن عبداللہ عجلی، امام عثمان دارمی اور امام نسائی رحمہم اللہ کے حوالے سے "ثقہ" نقل کیا ہے[22]) کے واسطہ سے نقل کی گئی ہیں اور شریح بن عبیدکے اساتذہ میں کعب احبار رحمہ اللہ کا نام ہے، نہ کہ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا۔واللہ اعلم۔

ائمہ کرام رحمہم اللہ کے اقوال سے معلوم ہوا کہ اس طریق کے مذکورہ دونوں راوی ثقہ ہیں، البتہ یہ روایت تین وجوہ سے ضعیف ہے:

۱۔پہلی وجہ: اس روایت میں بھی مبہم راوی پایا جاتا ہے، کیونکہ اس میں حکم بن نافع نے جس راوی سے یہ روایت لی ہے وہ مبہم راوی ہے، جس کی ثقاہت اور ضعف کا علم نہیں، البتہ چونکہ حکم بن نافع رحمہ اللہ نے حضرت کعب کے طریق سے مروی فتن کی اکثر احادیث شریح بن عبیدکے واسطہ سے نقل کی ہیں، اس لیے اگریہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہاں مبہم راوی سے مراد شریح بن عبید ہیں تو اس صورت میں یہ وجہ ضعف نہیں رہے گی، کیونکہ شریح بن عبید کو ائمہ کرام رحمہم اللہ نے ثقہ قرار دیا ہے۔جیسا کہ گزشتہ صفحہ کے حاشیہ میں منقول عبارت میں تصریح کی گئی ہے۔

۲۔دوسری وجہ: اس روایت میں انقطاع پایا جاتا ہے، کیونکہ حضرت کعب احبار رحمہ اللہ کی وفات بتیس ہجری میں ہوئی ، جبکہ حکم بن نافع کی وفات دوسوبائیس ہجری میں ہوئی، دونوں کے درمیان تقریباً دو سو سال کا وقفہ ہے، اس لیے ان کے درمیان دو یا دو سے زیادہ راوی ساقط ہیں اور جس روایت کی سند سے دو راوی ساقط ہوں وہ ''معضل''کہلاتی ہے، یہ بھی ضعیف روایت کی ایک قسم ہے، البتہ معضل روایت اعتبار (یہ ایک عمل ہے، جس کے ذریعے روایت کو اس کے متابعات اور شواہد کی روشنی میں پرکھاجاتا ہے) کے حق میں مرسل کا حکم رکھتی ہے، یعنی مرسل روایت کی طرح معضل بھی متابعت کا فائدہ دیتی ہے۔

۳۔تیسری وجہ : اس روایت میں کعب کی تعیین نہیں ہو سکی، لہٰذا اگر کعب سے کعب احبار مراد ہیں تو یہ روایت مرسل ہو گی، کیونکہ ان کو شرفِ صحابیت حاصل نہیں، پھر مرسل ہونے کی صورت میں اس میں یہ احتمال بھی موجود ہے کہ انہوں نے صحابی کی بجائے کسی اور تابعی سے روایت لی ہو اور تابعین میں ثقات اور ضعاف دونوں قسم کے لوگ شامل ہیں۔

لہٰذا یہ روایت بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت (بطریق اسحاق بن راہویہ) کو کچھ فائدہ نہ دے گی، کیونکہ اس میں ضعف گزشتہ دونوں روایات سے زیادہ ہے۔

حاصلِ بحث

غزوۂ ہند کے بارے میں پیچھے ذکر کی گئی مکمل بحث کا خلاصہ یہ ہے:

١۔پہلی روایت حضرت ثوبان رضی للہ عنہ کی ہے، جو اصطلاحی اعتبار سےصحیح یا کم از کم حسن درجے کی ضرورہے، یہ مستند اور قابلِ استدلال روایت ہے اور اس روایت میں صرف یہ ذکر ہے کہ غزوہ ہند میں شریک ہونے والی جماعت کو اللہ تعالیٰ آگ یعنی جہنم سے محفوظ فرمائیں گے۔

٢۔دوسری حضرت ابوہریرہ رضی اللہ کی روایت ہے، جو تین طرق سے مروی ہے اور تینوں طرق ضعیف ہیں، البتہ کثرتِ طرق کی وجہ سے اس میں پیدا ہونے والے ضعف کا جبیرہ ہو چکا ہے، اس لیے یہ روایت سنداًحسن لغیرہ ہے، اس لیے اس سے بھی غزوہ ہند کی فضیلت پر استدلال کیا جا سکتا ہے اور اس روایت سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص غزوہ ہند میں شہید ہو گا وہ بہترین شہداء میں سے ہوگا اور جہنم سے آزاد ہو گا۔

٣۔تیسری روایت بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے، جو تین طرق سے مروی ہے، جس میں ہند کے ساتھ سند کا بھی ذکرہے، ہندیا سند(علی اختلاف الروایہ) کے بادشاہوں کو بیڑیوں میں جکڑنے، ہند سے خزانوں کو نکالنے، پھر بیت المقدس کی طرف واپس جانے اور شام میں حضرت عیسی علیہ السلام کو پانے وغیرہ کا ذکر ہے۔

لیکن یہ روایت کثرتِ طرق کے باوجود حسن لغیرہ کے درجے کو نہیں پہنچے گی، کیونکہ کثرتِ طرق سے ضعیف روایت اس وقت حسن لغیرہ کے درجے کو پہنچتی ہے جب اس میں پائے جانے والے ضعف کا انجبار ہو جائے، جبکہ اس روایت کے ضعف کا انجبار نہیں ہوا، کیونکہ ان میں سے ہر ایک کی سند میں مبہم راوی موجود ہے، اس لیے آخری دو طرق کی متابعت کے باوجود حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مسندِ اسحاق بن راہویہ میں ذکر کی گئی روایت کا ضعف دور نہیں ہوا۔

البتہ چونکہ اس روایت میں فنی اعتبار سے ضعفِ شدید نہیں ہے اور مذکورہ روایت کا تعلق فضائل اور اخبار سے ہے اور فضائل و اخبار میں ضعیف روایت بھی قابلِ عمل ہوتی ہے، بشرطیکہ اس میں ضعفِ شدید نہ ہو اور اس کے ثبوت کا عقیدہ نہ رکھا جائے۔لہٰذا غزوہ ہند کی فضیلت کی حد تک اس روایت کو قبول جا سکتا ہے،خصوصاً جبکہ نفسِ فضیلت دیگر صحیح یا حسن درجے کی نصوص سے بھی ثابت ہے، اس کے علاوہ دیگر امور(جو پیچھے ذکر کیے گئے ہیں) کو اس روایت کی بناء پر ثابت ماننا اور اس کے ثبوت کا عقیدہ رکھنا درست نہیں۔

غزوۂ ہند کا مصداق

غزوۂ ہند کا مصداق کیا ہے، کیا یہ غزوہ ہو چکا ہے یا ابھی واقع نہیں ہوا ؟اس سوال کے جواب سے پہلے اس بات کی تحقیق ضروری ہے کہ’’ہند‘‘ سے کونسا خطۂ زمین مراد ہےاور اس میں کون کون سے علاقے شامل ہیں؟

لفظِ ’’ہند‘‘کا اطلاق

تاریخ کی کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں پورے برصغیر کے علاقے کا ایک نام نہیں تھا، بلکہ مختلف ریاستوں کے علیحدہ علیحدہ نام تھے، جیسے بنگال، سندھ، بہاولپور،حیدرآباد اور کشمیر وغیرہ۔ انہیں میں سے ایک ہند تھا جو دریائے سندھ کے پار یعنی مشرقی علاقے کو کہا جاتا تھا، جہاں سنسکرت بولی جاتی تھی، کیونکہ جب اہل فارس نے اس علاقے کو فتح کیا تو انہوں نے دریائے سندھ کی مناسبت سے اس کا نام ہندھورکھا جو بعد میں ہند بن گیا۔ البتہ اہلِ عرب مشرق کی طرف کے تمام علاقہ جات کو ہند سے تعبیر کرتے تھے، تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں:

اردو دائرۃ المعارف (ج:23ص:173) زیر اہتمام پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ط: عالمین پبلیکیشنز پریس، ریٹیگن روڈ۔ ہجویری پارک، لاہور۔

مصر قدیم کے جغرافیہ دان لفظ ہند کو سندہ کے مشرقی علاقوں کے لیے استعمال کرتے تھے، ہند سے جنوب مشرقی ایشیا کے ممالک بھی مراد لیے جاتے تھے، چنانچہ جب ہند کے بادشاہ یا ہند کے علاقے کہا جاتا تھا تو اس سے صرف ہند ہی مراد نہ ہوتا تھا، بلکہ اس میں انڈونیشیا، ملایا وغیرہ بھی شامل سمجھے جاتے تھے اور جب سندھ کہا جاتا تھا تو اس میں سندھ، مکران، بلوچستان، پنجاب کا کچھ حصہ اور شمال مغربی سرحدی صوبے بھی شامل

سمجھے جاتے تھے،ایسا کوئی نام نہ تھا جس کا اطلاق پورے ہندوستان پر ہو، ہند اور سندھ مل کر ہی ہندوستان کو ظاہر کرتے تھے، عربی اور فارسی میں جب ہندوستان کے جغرافیائی حالات بیان کیے جاتے تھے تو اس میں ہند اور سندھ دونوں کے حالات شمال ہوتے تھے، یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد سے پہلے کوئی نام ایسا نہ تھا جس کا اطلاق پورے ملک پر ہو، ہر صوبے کا اپنا اپنا الگ نام ہوتا تھا، اہلَ فارس نے جب اس ملک کے ایک صوبے پر قبضہ کر لیا تو اس دریا کے نام پر جیسے اب سندھ کہتے ہیں، ہندھو رکھا، کیونکہ ایرانَ قدیم کی زبان پہلوی میں اور سنسکرت میں س اور ہ کو آپس میں بدل لیا کرتے تھے، چنانچہ فارسی والوں نے ہندھو کہہ کر پکارا، جبکہ عربوں نے سندھ کو تو سندھ ہی کہا، لیکن اس کے علاوہ ہندوستان کے دوسرے علاقوں کو ہند کہا اور آخر میں یہی نام تمام دنیا میں پھیل گیا۔

اردو دائرة المعارف (ج:11ص:330) زیرِ اہتمام پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ط: عالمین پبلیکیشنز پریس، ریٹیگن روڈ۔ ہجویری پارک، لاہور۔

پہلی صدی ہجری/آٹھویں صدی عیسوی میں سندھ آج کے مقابلے میں کہیں زیادہ وسیع ملک تھا، اس میں موجودہ بلوچستان کے علاوہ مکران کے مشرقی اضلاع بھی شامل ہوتے تھے،شمال میں اس کی سرحد جہلم اور چناب کے سنگم تک تھی اور جنوب میں جسلمیراور مارواڑ کے کچھ علاقے بھی اس میں شامل تھے۔

عرب وہند کے تعلقات: (ص:10) مؤلفہ: سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ، ط: دار المصنفین شبلی اکیڈمی، یوپی، انڈیا۔

مسلمانوں کی آمد سے پہلے اس پورے ملک کا کوئی ایک نام نہ تھا، ہر صوبہ کا الگ الگ نام تھا، ہر ریاست کا نام اس کی راجدھانی کے نام سے معروف تھا، جب اہلِ فارس نے اس ملک کے ایک صوبے پر قبضہ کیا تو اس دریا کا نام جس کو آج کل دریائے سندھ کہتے ہیں، ہندھو رکھا، اس کا نام عربی میں ''مہران'' ہے، پرانی ایرانی زبان میں ''س'' اور ''ہ'' آپس میں بدلا کرتے ہیں، اس لیے اہلِ فارس نے اس کا نام ہندھو رکھا، اس سے اس ملک کا نام ہند پڑ گیا، عربوں نے جو سندھ کے علاوہ اس علاقے کے دوسرےشہروں سے بھی واقف تھے، انہوں نے سندھ کو سندھ ہی کہا، لیکن سندھ کے علاوہ دیگر شہروں کو ہند قرار دیا اور آخر یہی نام تمام دنیا میں پھیل گیا۔[23]

كتاب المسالك والممالك للاصطخري أو مسالك الممالك أبو اسحاق إبراهيم بن محمد الفارسي الاصطخري، المعروف بالكرخي (المتوفى: 346هـ) الناشر: الهيئة العامة لقصور الثقافة القاهرة۔

[بلاد السند]

وأما بلاد السند وما يصاقبها مما قد جمعناه فى صورة واحدة، فهى بلاد السند وشىء من بلاد الهند ومكران وطوران والبدهة، وشرقىّ ذلك كله بحر فارس، وغربيّه كرمان ومفازة سجستان وأعمال سجستان، وشماليه بلاد هند ، وجنوبيه مفازة بين مكران والقفص، ومن ورائها بحر فارس، وإنما صار بحر فارس يحيط بشرقى هذه البلاد والجنوبىّ من وراء هذه المفازة، من أجل أن البحر يمتد من صيمور على الشرقىّ إلى نحو تيز مكران، ثم ينعطف على هذه المفازة إلى أن يتقوّس على بلاد كرمان وفارس.

[ما وراء النهر]

وأما ما وراء النهر فيحيط به من شرقيّة: فامر وراشت، وما يتاخم الختّل من أرض الهند خط مستقيم، وغربيّه بلاد الغزيّة والخزلجيّة من حدّ طراز، ممتدا على التقويس حتى ينتهى إلى فاراب وبيسكند وسغد سمرقند ونواحى بخارى إلى خوارزم، حتى ينتهى إلى بحيرتها، وشماليّه الترك الخزلجية من أقصى بلد فرغانة إلى الطّراز على خط مستقيم، وجنوبيّه نهر جيحون من لدن بذخشان إلى بحيرة خوارزم على خط مستقيم؛ وجعلنا خوارزم والختّل فى ما وراء النهر لأن الختّل بين نهر جرياب ووخشاب، وعمود جيحون جرياب، وما دونه من وراء النهر. وخوارزم مدينتها وراء النهر ، وهى إلى مدن ما وراء النهر أقرب منها إلى مدن خراسان.

صورة الأرض لابن حوقل:(ص: 274) لأبي القاسم بن حوقل النصيبي:

وأما بلاد السند ومايصاقبها للاسلام مما جمعته في صورة واحدة فهي بلاد السند وشيئ من بلاد الهند، ومكران وطوران، والبدهة وشرقي ذلك كله بحر فارس، وغربيها كرمان ومفازة سجستان وأعمالها وشماليتها بلاد الهند، وجنوبيها ما بين مكران والقفص ومن ورائها بحر فارس، وإنما صار بحر فارس يحيط بشرقي هذه البلاد والجنوبي من وراء هذه المفازة من أجل هذه البحر يمتد من صيمور شرقي إلي تيز مكران۔

مذکورہ بالا عبارات سے معلوم ہوا کہ حدیثِ پاک میں بیان کیے گئے لفظ ہند کے مصداق میں اہل عرب اور اہل فارس کے ہاں دریائے سندھ کا مشرقی علاقہ بہرصورت شامل ہے، جس میں موجودہ جغرافیائی تقسیم کے اعتبارسے بھارت اور بنگلہ دیش مکمل شامل ہیں، جبکہ پاکستان کے قبائلی علاقہ جات (اٹك پل تك) اور دریائے سندھ کے مغربی علاقہ کو چھوڑ کر بقیہ علاقے اس میں شامل ہیں،[24]کیونکہ بقیہ تمام علاقہ جات دریائے سندھ کے مشرق میں واقع ہیں، اس کے علاوہ اردگرد کے دیگر علاقوں کو اہلِ عرب کی تعبیر کے مطابق ہند میں شامل کیا جا سکتا ہے، کیونکہ وہ عرب کے تمام مشرقی علاقوں کو ہند سے تعبیر کرتے تھے، البتہ اہلِ فارس کی تعبیر کے مطابق دیگر علاقے اُس وقت کےتناظر میں ہند کے مصداق میں شامل نہیں ہوں گے۔

یہ بھی واضح رہے کہ اہلِ عرب سندھ کو اس وقت بھی سندھ ہی کہتے تھے، اسی لیے محمد بن قاسم کے حملے کے تذکرہ میں سب تاریخ دانوں نےصرف سندھ کا ذکر کیا ہے، کسی نے اس علاقے کو ہند سے تعبیر نہیں کیا۔

غزوہ ہند کا مصداق

غزوۂ ہند کا مصداق کیا ہے؟ اور یہ غزوہ کب ہو گا؟ اس کے بارے میں کسی صحیح یا حسن درجے کی حدیث میں کوئی صراحت منقول نہیں، اس لیے اس غزوہ کے مصداق اور اس کی تعیین کے بارے میں کوئی حتمی بات کہنا مشکل ہے، البتہ علامات اور قرائن کے اعتبار سے اس کے مصداق کے بارے میں تین اقوال ہو سکتے ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے:

پہلا قول

یہ فضیلت ہند کی کسی خاص جنگ سے متعلق نہیں، بلکہ ہند میں ہونے والی سب جنگیں اس فضیلت میں شامل ہیں، چنانچہ اسلام کے ابتدائی اور وسطی دور میں جو غزوات ہند میں ہوئے، جن کی بناء پر ہندوستان ایک عرصہ تک دارالاسلام بنا رہا اور وہاں اسلامی حکومت قائم رہی، جن میں بالخصوص حضرت امیرمعاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں چوالیس ہجری (۴۴ھ) میں جو جنگ لڑی گئی، اس کے بعد محمد بن قاسم رحمہ اللہ نے سات سو بارہ عیسوی (۹۳ھ) میں جو جنگ لڑی اور پھر چوتھی صدی ہجری میں محمود غزنوی (متوفی:۴۲۰ھ)کے دور میں لڑی جانے والی جنگیں اور بارہویں صدی ہجری میں احمد شاہ ابدالی (متوفی: ۱۱۳۴ھ) کے دور میں لڑی جانے والی سب جنگیں غزوۂ ہند کے مصداق میں شامل ہیں۔چنانچہ علامہ ابنِ کثیر رحمہ اللہ نے ’’البدایہ والنہایۃ‘‘ میں حضرت امیرمعاویہ رضی اللہ عنہ اور محمود غزنوی رحمہ اللہ کے دور میں لڑی جانے والی جنگوں کا ذکر کیا ہے، اور انہوں نے غزوۂ ہند کو کسی زمانہ کے ساتھ خاص نہیں کیا، لہٰذا اس صورت میں قربِ قیامت میں ہونے والی جنگیں بھی اس کے مصداق میں شامل ہوں گی۔

یہ قول مرجوح معلوم ہوتا ہے، کیونکہ تمام روایات میں غزوہ ہند کے بارے میں تین الفاظ(غزوۃ، جیش اور عصابۃ)ذکرکیے گئے ہیں اور یہ تینوں واحد کے صیغے ہیں، جن سے پتہ چلتا ہے کہ کوئی ایک خاص لشکر یا جماعت ہو گی جو ہند میں قتال کرے گی، نیز علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی ان تمام جنگوں کو صراحتاً غزوہ ہند کا مصداق قرار نہیں دیا۔لہٰذا اس علاقے میں ہونے والی تمام جنگوں کو اس روایت کا مصداق قرار دینا محلِ نظر معلوم ہوتا ہے۔

دوسرا قول

بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ اس سے خاص ہندوستان مراد نہیں ہے، بلکہ ہندوستان کی طرف کے سب علاقے مراد ہیں جس میں خاص طور پر بصرہ اور اس کے اطراف کا علاقہ ہے اس کی تائید بعض آثار صحابہ سے ہوتی ہے جو یہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم لوگ ہند سے بصرہ مراد لیتے ہیں اس تاویل کے اعتبار سے غزوہ ہند کے سلسلہ کی روایات کا تعلق ان جنگوں سے ہو گا جو ابتدائی زمانہ میں فارس سے ہوئیں، موجودہ ہند کی جنگوں سے اس کا تعلق نہ ہو گا۔

واضح رہے کہ تلاش کے باوجود اس قول کا بھی کوئی ماخذ نہیں ملا، نیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہند سے بصرہ مراد لینے کی تصریح بھی کسی روایت میں نہیں ملی،اس لیے یہ قول بھی مرجوح ہے۔

تیسرا قول

ابھی ان روایات کا مصداق پیش نہیں آیا، بلکہ حضرت امام مہدی اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے زمانہ میں اس معرکہ آرائی کا تحقق ہوگا، اس رائے کے قائلین ان روایتوں کو پیش کرتے ہیں جو امام نعیم بن حماد رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الفتن'' اور امام اسحاق بن راہویہ نے اپنی" مسند" میں ذکر کی ہیں، جن میں یہ ذکر ہے کہ ''ایک جماعت ہندوستان میں جہاد کرے گی اور اس کو فتح نصیب ہوگی اور جب وہ مال غنیمت لے کر واپس لوٹیں گے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پائیں گے'' نیز بعض روایات میں یہ بھی مذکور ہے کہ یہ لشکر دجال کے نکلنے تک ہند میں ہی رہے گا۔ اور خروج دجال بھی حضرت عیسی علیہ السلام کے زمانے کے قریب ہو گا۔ اور قرائن کی روشنی میں یہی قول راجح معلوم ہوتا ہے، جس کی وجوہ درج ذیل ہیں:

پہلی وجہ: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی حدیث (جس کو بعض حضرات نے صحیح اور بعض نے حسن قرار دیا ہے) اس میں حضرت عیسی بن مریم کے ساتھ مل کر جنگ کرنے والی اور ہند کے علاقے میں لڑنے والی دونوں جماعتوں کو اکٹھا ذکر کیا گیا ہے، اورلفظوں کے اتصال سے بظاہر زمانے کے اتصال پر استیناس کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ شام میں الملحمۃ الکبری اور برصغیر میں غزوۂ ہند ان دونوں جنگوں میں قدرِ مشترک یہ ہے کہ اس کے بعد خلافت الہیہ عالمیہ قائم ہو گی جو ان دونوں جنگوں میں کامیابی کا نتیجہ ہو گی۔

دوسری وجہ: قربِ قیامت کا زمانہ انتہائی مشکل اور پرفتن ہو گا، جس میں دین پر ثابت قدم رہنا انتہائی مشکل ہو گا، اس لیے ان کٹھن حالات میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے کی بنیاد پر یہ بشارت سنائی گئی۔

تیسری وجہ: غزوۂ ہند سے متعلق وہ روایات جن کو امام نعیم بن حماد اور امام اسحاق بن راہویہ رحمہما اللہ نے ذکر کیا ہے اگر ان کوحضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت (جو کثرتِ طرق کی وجہ سے حسن لغیرہ کا درجہ رکھتی ہے) کا متابع قرار دیا جائے تو اس صورت میں غزوہ ہند کا مصداق غالب گمان کی حد تك حضرت عیسی علیہ السلام کے زمانے میں ہونے والی جنگیں ہوں گی، خصوصاً صفوان بن عمرو سکسکی رحمہ اللہ کی روایت اصولوں کی روشنی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی پہلی روایت کے لیے متابعت کا فائدہ دے سکتی ہے، کیونکہ اس روایت کے بھی کچھ الفاظ وہی ہیں جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی پہلی روایت میں ذکر کیے گئے ہیں، دونوں روایات ملاحظہ فرمائیں:

أخبرنا يحيى بن يحيى، أنا إسماعيل بن عياش، عن صفوان بن عمرو السكسكي، عن شيخ، عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: ذكر رسول الله صلى الله عليه وسلم يوما الهند، فقال: «ليغزون جيش لكم الهند فيفتح الله عليهم حتى يأتوا بملوك السند مغلولين في السلاسل فيغفر الله لهم ذنوبهم فينصرفون حين ينصرفون فيجدون المسيح ابن مريم بالشام» قال: أبو هريرة رضي الله عنه فإن أنا أدركت تلك الغزوة بعت كل طارد وتالد لي وغزوتها فإذا فتح الله علينا انصرفنا فأنا أبو هريرة المحرر، يقدم الشام، فيلقى المسيح ابن مريم، فلأحرصن أن أدنو منه فأخبره أني صحبتك يا رسول الله، قال: فتبسم رسول الله صلى الله عليه وسلم ضاحكا، وقال: «إن جنة الآخرة ليست كجنة الأولى يلقى عليه مهابة مثل مهابة الموت يمسح وجه الرجال ويبشرهم بدرجات الجنة»[25]

البتہ ان روایات کی وجہ سے بھی حتمی طور پر غزوۂ ہند کی تعیین مشکل ہے، کیونکہ غزوۂ ہند سے واپسی پر شام جانے اور وہاں حضرت عیسی علیہ السلام کو پانے کا ذکر ثقات کی روایات میں نہیں ہے، بلکہ یہ اضافہ دوسری روایات میں ہے جن سب کا مدار مبہم راوی پر ہے اور راوی کا مبہم ہونا ضعف کا ایک درجہ ہے اور ائمۂ کرام رحمہم اللہ کی تصریح کے مطابق ضعیف راوی کا اضافہ قبول نہیں۔[26] اس لیے یہ روایات ثبوت کا فائدہ نہیں دیں گی، البتہ ان روایات سے اس قول کی تائید ضرور ہوتی ہے، اس لیے ان ضعیف روایات کی وجہ سے اس قول کو غالب گمان کی حد تک راجح قرار دیا جا سکتا ہے،اسی لیے بعض عرب علمائے کرام نے غزوۂ ہند کے مصداق میں اسی قول کو لیا ہے:

إتحاف الجماعة بما جاء في الفتن والملاحم وأشراط الساعة لحمود بن عبد الله التويجري (المتوفى: 1413هـ) (1/ 365) دار الصميعي للنشر والتوزيع، الرياض۔

خلاصۂ بحث

مستند احادیث مبارکہ سے غزوۂ ہند کی فضیلت ثابت ہے، البتہ کسی بھی صحیح یا حسن درجے کی حدیث میں ہند کے علاقے کی تعیین اور غزوۂ ہند کے مصداق کی تصریح منقول نہیں، اس لیے برصغیر میں ہونے والی کسی بھی جنگ کو حتمی طور پر غزؤ ہند کا مصداق قرار دینا مشکل ہے، خواہ وہ پاکستان اور بھارت کے درمیان ہو یا کوئی اور جنگ۔

البتہ بعض روایات (جن پر اگرچہ کچھ کلام ہے) اور کچھ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ غزوہ حضرت عیسی علیہ السلام کے زمانہ میں پیش آئے گا، اور اُس زمانہ کے کٹھن اور پرفتن حالات کے موافق یہی قول زیادہ قرینِ قیاس اور اقرب الی الصواب معلوم ہوتاہے۔

حوالہ جات

[1] احمد بن شعیب النسائی، *سنن النسائی*، جلد 6 (حلب: مکتب المطبوعات الاسلامیہ، تاریخ اشاعت معلوم نہیں)، ص 42، حدیث نمبر 3175

[2] نیز یہ روایت کثرتِ طرق سے بھی مروی ہے، جس سے روایت میں مزید قوت آجاتی ہے اور کثرت کے لیے دو طریق بھی کافی ہیں، جیسا کہ علامہ نووی، حافظ ابن حجر، علامہ سیوطی اور علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہم اللہ وغیرہ نے تصریح فرمائی ہے:

عبد الرحمن بن أبي بكر السيوطي، *تدريب الراوي في شرح تقريب النواوي*، جلد 1 (رياض: دار طيبة)، ص 194

[3] *ثلاث رسائل في علم مصطلح الحديث*، تحقيق و تعليق: عبد الفتاح أبو غدة (حلب: مكتب المطبوعات الإسلامية)، ص 104۔

([4]) يوسف بن عبد الرحمن المزي، *تهذيب الكمال في أسماء الرجال*، جلد 30 (بيروت: مؤسّسة الرسالة)، ص 283، ترجمہ نمبر 6595۔

[5] تاريخ الإسلام للحافظ الذهبي (8/ 77، رقم الترجمة: 146) المكتبة التوفيقية۔

[6] الثقات لابن حبان (4/ 117 رقم الترجمة:2076) دائرة المعارف العثمانية بحيدر آباد الدكن الهند۔

[7] ميزان الاعتدال (1/ 388، رقم الترجمة: 1436) دار المعرفة للطباعة والنشر، بيروت۔

[8] علامہ شعیب ارنؤوط اور شیخ بشار عواد رحمہمااللہ کی ''تحریر تقریب التہذیب'' میں اس کو ضعیف قرار دیا گیا ہے اور شیخ ماہر یسین الفحل حفظہ اللہ کا''کشف الایہام لما تضمنہ تحریرتقریب التہذیب من الاوہام'' میں سکوت اختیار کرنا بھی اسی قول کا مقتضی ہے۔

[9] الكاشف (1/ 50) لشمس الدين الذهبي (المتوفى: 748هـ) دار القبلة للثقافة الإسلامية،جدة۔

[10] مسند أحمد التحقيق: الشيخ احمد شاكر (6/ 532، رقم الحديث: 7128) ۔

[11] الطبقات الكبرى أبو عبد الله محمد بن سعد (7/ 340) ط: دار صادر، بيروت۔

[12] ميزان الاعتدال (1/ 301، رقم الحديث: 1140) دار المعرفة للطباعة والنشر، بيروت۔

[13] الثقات للعجلي ط الباز (ص: 113، رقم الترجمة: 275) دار الباز۔

[14] تهذيب الكمال في أسماء الرجال (18/ 102، رقم الحديث: 3431) مؤسسة الرسالة – بيروت۔

[15] تقريب التهذيب (ص: 462، رقم الحديث: 5669) دار الرشيد - سوريا۔

[16] امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ کو سب حضرات نے ثقہ قرار دیا ہے، ان سے امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداود، امام ترمذی اور امام نسائی رحمہم اللہ نے بھی روایات لی ہیں، نیز یہ اپنے زمانے کے مجتہد اور فقیہ تھے۔

تقريب التهذيب لابن حجر العسقلاني (ص: 99، رقم الترجمة: 332) (المتوفى: 852ه) المحقق: محمد عوامة، الناشر: دار الرشيد – سوريا۔

[17] الكاشف (1/ 248، رقم الترجمة: 400) شمس الدين أبو عبد الله محمد بن أحمد الذهبي (المتوفى: 748هـ) المحقق: محمد عوامة ،الناشر: دار القبلة للثقافة الإسلامية، جدة۔

[18] اليواقيت والدرر شرح شرح نخبة الفكر للمناوی (2/ 136) مكتبة الرشد - الرياض۔

[19] نعیم بن حماد پر بعض حضرات نے کلام کیا ہے، لیکن امام احمد بن حنبل اور امام یحی العجلی رحمہما اللہ وغیرہ نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے، نیز ان سے امام بخاری رحمہ اللہ نے تعلیقاً روایات لی ہیں۔

لسان الميزان لابن حجر العسقلاني (7/ 412، رقم الترجمة: 5047، مؤسسة الأعلمي للمطبوعات بيروت۔

[20] تدريب الراوي في شرح تقريب النواوي (1/ 194)

[21] السنن الكبرى للبيهقي (10/ 404، رقم الحديث: 21110) دار الكتب العلمية، بيروت۔

[22] تهذيب الكمال في أسماء الرجال (12/ 447، رقم الترجمة: 2726) مؤسسة الرسالة – بيروت:

[23] ویکیپیڈیا میں ہند کی تفصیل اس طرح درج ہے:

پہلی صدی عیسوی میں جب عرب ہندوستان تجارت کے لیے آتے تو انہوں نے دریائے سندھ سے مشرقی طرف تمام علاقہ جات کو'' ہند'' کہا ، اپنی اصل کے اعتبار سے یہ فارسی زبان کا لفظ ہے۔ یہ لفظ قدیم فارسی کی لفظ ''ہندوس'' سے لیا گیا جو خود سنسکرت کی لفظ ''سندوس'' سے نکلا ہے جس کا مطلب وہ علاقے جو دریائے سندھ کے پیچھے آتے ہوں۔ اس طرح یہ لفظ جدید فارسی میں ''ہندو'' اور اس کے ساتھ ''ستان'' (جائے) کے مجموعے سے جنم پاگیا۔اس لفظ کو سرکاری سطح پر مغل سلطنت کے دور میں مغل بادشاہوں نے اپنی سلطنت کو ہندوستان کا نام دیا۔

شروع میں عرب کے لوگ فارس اور عرب کے مشرقی علاقے میں آباد قوموں کے لیے لفظ "ہند" استعمال کرتے تھے،مختلف سلطنتوں اور بادشاہتوں کے تحت بادشاہتِ ہند کی سرحدیں بدلتی رہیں۔ آخر میں برصغیر پاک و ہند کا سارا علاقہ برطانوی تسلط میں آ کر "برطانوی انڈیا" یا "ہندوستان" کہلانے لگا۔ یہ صورتِ حال 1947ء تک برقرار رہی۔ اس میں موجودہ بھارت، بنگلہ دیش اور پاکستان شامل تھے۔ 1947ء کے بعد دو ملک بن گئے جنہیں بھارت اور پاکستان کہا گیا۔ موجودہ زمانے میں ہندوستان سے کوئی واضح جغرافیائی خطہ مراد نہیں ، بلکہ جغرافیائی اعتبار سے ہندوستان میں پاکستان،بھارت ،بنگلہ دیش اور ایک چھوٹا سہ حصہ چین (جس حصے کو اکسائی چین کہا جاتا ہے) اور اس کے ساتھ برما کا ایک چھوٹا سا حصہ ہندوستان میں شمار کیا جاتا ہے۔ عام زبان میں اس سے بھارت مراد لیاجاتاہے جو کہ تکنیکی لحاظ سے غلط ہے۔ https://www.wikipedia.org

[24] کتاب الجغرافیہ(ص: 226)مفتی ابولبابہ شاہ منصور صاحب، مکتبہ البشری، کراچی۔

''ہند کی فضیلت کا مصداق کون لوگ ہیں؟ ہند کے مصداق میں ہندوستان، بنگلہ دیش اور پاکستان آتے ہیں، نیپال اور بھوٹان اس میں داخل ہیں یا نہیں؟ اگر ہم غور کریں تو یہ چین اور ہند کے سنگم پر واقع ہیں، ان کی تہذیب، ثقافت اور حلیے کو دیکھیں، اگر یہ چین کے زیادہ مشابہ ہیں تو اس کے ساتھ ملحق ہو جائیں گے، ورنہ ہند میں داخل ہوں گے، غور کریں تومعلوم ہوتا ہے کہ یہ چین کے زیادہ مشابہ ہیں--------لہذا غزوہ ہند کا صحیح مصداق آج کے جغرافیہ کے اعتبار سے یہ تین ممالک ہیں، پاکستان، ہندوستان اور بنگلہ دیش۔

[25] كذا في الفتن لنعيم بن حماد (1/ 409، رقم الحديث: 1236(مكتبة التوحيد، القاهرة۔

[26] قفو الأثر في صفوة علوم الأثر لرضى الدين المعروف بابن الحنبلى(ص: 60) مكتبة المطبوعات الإسلامية – حلب۔